شاہ ہمدانؒ کی تشریف آوری سے قبل اور بعد
کشمیر میں اسلام

از:- ڈاکٹر سیدہ رقیہ

اِس بات سے دُنیا واقف ہے کہ مذہبِ اسلام کی بُنیاد سب سے پہلے عرب میں ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں اِس دین کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پڑی۔ چونکہ اِس مذہب کے اصول، قوانین اور احکام و شرائط نہایت واضح اور سادہ تھے۔ اِس لئے اِس دین نے بہت جلد دُنیا کے تقریباً ہر ملک کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اِسے قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صرف ایک صدی کا عرصہ گزر جانے پر مذہبِ اسلام تقریباً دُنیا کے سب بڑے بڑے مُلکوں میں پھیل چکا تھا اور مُسلمان ایران، افریقہ اور یورپ کے ملکوں میں اپنی عظیم الشان اور عالمگیر فتوحات کے نتیجے میں اِسلام پہنچانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ چین میں بھی اِسلام نے تاجروں اور سیاحوں کے ذریعے راستہ بنایا اور وہاں پر دینِ اسلام کی اِس قدر اشاعت ہوئی کہ آج وہاں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔

یوں تو کشمیر میں اسلام کا باضابطہ ورود حضرت میر سیّد علی ہمدانی کی

تشریف آوری سے منسوب کیا جاتا ہے [1] اور اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُن کے مقدس ہاتھوں پوری وادی میں جہالت اور ظلمت کا مکمل طور خاتمہ ہوا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اُن کی تشریف آوری سے قبل ہی یہاں اسلام کے بیج بوئے گئے تھے۔

تاریخ گواہ ہے کہ کشمیر میں مسلمان تاجر اور سیاحی بہت پہلے سے آنے لگے تھے عرب اور ہندوستان کا سیاسی تعلق اگرچہ اسلام کے بعد قایم ہوا لیکن اسلام سے قبل بھی عربوں کے ہندوستان کے ساحلی علاقوں کے ساتھ تجارتی تعلقات قایم تھے [2] لیکن افسوس ہے کہ کشمیر کے پُرانے مشہور و معروف مورخ کلہن پنڈت نے اپنی راج ترنگنی میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے کہ کشمیر میں مسلمان کس زمانہ سے وارد ہونے شروع ہوئے تھے۔ البتہ اُس نے اپنی راج ترنگنی میں ضرور مسلمانوں کا نام لیا ہے اور وہ بھی مہذب اور شایستہ طریقے سے نہیں بلکہ اُن کے لئے "ترشکا" اور "ملیچھ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد جونراج نے مسلمانوں کے لئے " ویانا" کا نام استعمال کیا ہے۔ اِس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ کشمیر میں مسلمانوں کی موجودگی سے کسی طرح بھی خوش نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے تعصب سے کام لے کر مسلمانوں کے کشمیر میں صحیح ورود کی کوئی بھی تاریخ نہیں دی ہے۔ چنانچہ جونراج نے اپنی تاریخ میں اپنے دل کی کیفیت کا اظہار یُوں ان الفاظ میں کیا ہے :-

"جس طرح ہوا درختوں کو اُکھاڑتی ہے اور ٹڈیاں دھان کی فصل کو برباد کرتی ہیں۔ اِسی طرح " ویاناوان " نے کشمیر کی ہیئت وحالت

---

[1] حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کے مقدس ہاتھوں دین اسلام کی اشاعت کی تفصیل آگے ملاحظہ ہو۔

[2] ادبیاتِ فارسی میں ہندوؤں کا حصہ۔ ص ۱۔

تباہ و برباد کر کے رکھ دی اور کشمیر کی مملکت کو ملیچھوں نے ناپاک کر دیا۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر میں ہندو حکمرانوں کے عہدِ حکومت میں بھی مسلمان موجود تھے۔ اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں رہے ہوں گے لیکن پھر بھی تجارت کے سلسلہ میں بیرونی ممالک کے باشندے کم یا زیادہ تعداد میں کشمیر میں وارد ہوا کرتے تھے جن میں یقیناً مسلمان تجار بھی ہوتے ہوں گے۔ لیکن کشمیر کی تاریخوں میں کسی عرب یا کسی دوسرے ملک کے مسلمان تاجر اور سیاح کا نام اور ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ایک نامعلوم فارسی مؤرخ نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ بدھ اور ہندو حکمرانوں کے زمانے میں یہاں مسلمان موجود تھے چنانچہ وہ اپنی تصنیف (بہارستانِ شاہی ـ ورق ۷، ب) میں یوں رقمطراز ہے:-

" دران زمان اہالی کشمیر اندک جماعت مشرف بہ اسلام بودند"

(ترجمہ :- اس زمانے میں کشمیر کے باشندوں میں ایک جماعت اسلام لا چکی تھی)

گویا کشمیر میں اسلام کی اشاعت سے پہلے بیرونی ممالک کے ساتھ جہاں بیشتر مسلمان آباد تھے تعلقات اس بات کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ یہاں ہندوؤں کے عہد میں بھی مسلمان آباد تھے۔ مثال کے طور پر کشمیر کے تعلقات سندھ، ملتان، تبت وغیرہ جیسے ممالک کے ساتھ رہے ہیں۔[2]

محمد بن قاسم آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم (۷۱۱ - ۷۱۳) نے ہندوستان پر حملہ کیا اور سندھ زیرین، پنجاب اور ملتان وغیرہ ممالک کو اپنے قبضے میں لیا۔ اس طرح عربی مسلمان فاتح کی حیثیت سے سندھ میں داخل ہوئے اور تین

---

[1] جونراج - کنگس آف کشمیر" از دت - ص ۵۷ تا ۵۹ -

[2] معارف (کشمیر میں اسلام) ص ۲۳۲ تا ۲۳۸ - مارچ ۱۹۸۰ء

صدیوں تک سندھ پر حکومت کرتے رہے جس سے یہ علاقہ مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔ اِس سے سندھیوں اور عربوں کے درمیان زبردست سیاسی، تمدنی، معاشرتی اختلاط پیدا ہوا۔ سندھ اور مُلتان کو اپنے قبضے میں لانے کے بعد محمد بن قاسم نے کشمیر کی حدود تک اپنی فوج بھیج دی[1]۔ عربوں کی اِس چڑھائی کے خوف سے کشمیر کے راجہ چندراپیڑ (۷۲۵ تا ۷۵۳) نے چین کے حکمران کی مدد طلب کی تھی۔ لیکن چین کے حکمران کی طرف سے راجہ کو کوئی مدد نہیں ملی۔ لیکن چندراپیڑ کی خوش قسمتی سے محمد بن قاسم کو خلیفہ وقت کی طرف سے دمشق واپس لوٹنے کا حکم ملا[2]۔ اِس طرح یہ حملہ کشمیر سے کچھ عرصہ کے لئے ٹل گیا

خلیفہ ہشام (۷۲۴ تا ۷۴۳) کے عہد میں سندھ کے عربوں نے پھر کشمیر کو اپنی گرفت میں لینا چاہا اور اپنے والی جنید کی سرکردگی میں کشمیر پر حملہ کیا۔ اِس زمانہ میں کشمیر پر "للتادتیہ" کی حکومت تھی۔ للتادتیہ ایک طاقت ور راجہ تھا۔ اِس نے کشمیر سے باہر بھی بہت سے علاقوں کو اپنے قبضہ میں لایا تھا۔ اس لئے اُس نے اپنی عظیم طاقت سے جنید کو بھی شکست دی[3]۔ اِس طرح عربوں کا دوسرا حملہ بھی پسپا ہوا۔ لیکن اِس کے باوجود بھی عربوں نے اپنے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے علاوہ ترکی قبیلوں اور تبتیوں نے بھی کشمیر کے راجہ کو پے در پے حملوں سے

---

[1] ایلیٹ۔ جلد اوّل۔ ص ۴۳۶۔ (چچ نامہ۔ ص ۱۹۲)

[2] کشمیر، سلاطین کے عہد میں۔ ص ۳۹

[3] ملاحظہ ہو۔ راج ترنگنی۔ انگریزی ترجمہ از سٹائین۔ چوتھی جلد۔ ص ۱۳۰۔ حاشیہ ۱۲۶۔

Scanned with CamScanner

پریشان کر رکھا تھا۔ جن سے مجبور ہو کر اس نے چین سے مدد کی درخواست کی تھی۔ اگرچہ اُسے چین کے بادشاہ سے کوئی مدد نہیں ملی پھر بھی للتادتیہ اور اس کی فوج نے عربوں کو آگے بڑھنے نہ دیا اور اُن کی پیش قدمی روکنے میں للتادتیہ کامیاب رہا۔[1]

خلیفۂ منصور کے عہد میں بھی عرب کشمیر سے غافل نہیں رہے۔ اِس خلیفہ نے ہشام بن عمر کو سندھ کا گورنر منتخب کیا تو اُس نے بھی کشمیر پر حملہ کر کے قسمت آزمائی کی اور کوہستانِ ہمالیہ کے جنوبی دامن تک پہونچ گیا جو کشمیر کا ایک حصہ تھا لیکن اِس کے باوجود وہ وادی میں قدم نہ رکھ سکا۔ عرب مؤرخین کے مُطابق یہ حملہ کشمیر پر عربوں کی آخری یورش تھی۔ اِس کے بعد کشمیر پر کسی عرب سردار نے حملہ نہیں کیا۔[2]

عربوں کی ناکامی کا باعث شاید یہاں کے مضبوط اور اُونچے پہاڑ اور قوی فصیلوں کی دیواریں بنی ہوں گی۔ لیکن پھر بھی ایک بات ضرور ہے کہ کشمیر اِن حملوں کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا۔ عرب اگرچہ سیاسی اعتبار سے کشمیر کو حاصل کرنے میں ناکام رہے لیکن ساتھ ہی عربوں کی سندھ پر شاندار فتح نے کشمیر پر کافی اثرات ڈالے کیوں کہ یہ اسی حملے کا اثر ہے کہ کشمیر کے لوگوں کا پہلی بار مسلمانوں کے ساتھ رشتہ قایم ہوا بلکہ محمد بن قاسم کے زمانے سے کشمیر میں اِسلام کا آغاز بھی ہو جاتا ہے۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو شکست دی اور وہ ۱۰ رمضان ۹۳ ھ (جون ۷۱۲ء) میں قتل ہوا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا جیسیا عربوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن اُسے شکست ملی۔ داہر اور جیسیا کی فوج میں عرب سپاہی بھی تھے۔ اُنہوں نے شکست کھا کر کشمیر میں آکر پناہ لی

---

[1] کشمیر، سلاطین کے عہد میں۔ ص ۴۰

[2] کشمیر سلاطین کے عہد میں ص ۴۸۷۔ (بحوالہ فتوح البلدان ص ۴۳۱)

جیلیہ کے ساتھ اُس کا مسلمان دوست ایک شامی عرب مسلمان جہم بن سام نامی بھی تھا کشمیر پہنچ کر یہاں کے راجہ نے اُس کی خوب عزت افزائی کی اور جائے رہائش بھی فراہم کی جو چچ نامہ میں شاکلہار کے نام سے موسوم ہے۔ اِس مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے جنرل کننگھم نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ وہی جگہ ہو جو آج "کلو کاہر" کے نام سے موسوم ہے اور کوہستان نمک میں واقع ہے۔ یہ جگہ اُس زمانے میں کشمیر کے حدود میں داخل تھی۔ کچھ عرصہ بعد جیلیا انتقال کر گیا اور اُس کی جگہ اُس کا شامی رفیق جہم بن سام اقامت پذیر ہوا[1]۔ آگے چچ نامہ میں یہ عبارت مذکور ہے:۔

"وجہم بن سامہ بجائے او بنشست ونسل او تا این نمایت برقرار است ومساجد بنا کرد وقدر ومنزلت بکمال یافت وملک کشمیر او را محترم دانستی"[2]۔

(ترجمہ) "جہم بن سامہ جیلیا کی جگہ پر بیٹھا۔ جہم کی نسل آج تک یہاں برقرار ہے۔ اُس نے مسجدیں بنائی ہیں اور اس کی اولاد نے بڑی عزت پائی اور کشمیر کا راجہ بھی اُنکی عزت کرتا ہے"۔

اس کے علاوہ کلہن پنڈت نے بھی آٹھویں صدی عیسوی میں کشمیر میں مسلمانوں کی موجودگی کا اعتراف کیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ للتادتیہ (معاصر محمد بن قاسم) کے جانشین (۷۵۴ تا ۷۶۱ء) نے بہت سے آدمیوں کو ملیچھوں کے ہاتھوں فروخت کیا اور ملک

---

[1] کشمیر۔ جلد اوّل۔ ص ۷۔

[2] معارف۔ کشمیر میں اسلام۔ ص ۲۲۹ تا ۲۳۰ (مارچ ۱۹۸۰ء) بحوالہ چچ نامہ۔ ص ۹۔ اِس طرح جہم بن سام پہلا مسلمان ہے جس نے کشمیر میں مسجدیں تعمیر کیں اور اُن میں پہلی بار "اللہ اکبر" کی آواز گونج اُٹھی۔

میں ایسے ایسے رسوم داخل کئے جو ملیچھوں کے شایان شان تھے[1]۔ چنانچہ اس بات کی تائید عربی مؤرخ "یاقوت حمری" سے بھی ہوتی ہے۔ اس نے لکھا ہے :-

ترجمہ :- (عربی عبارت سے) "کشمیر کے لوگ مخلوقات میں نہایت خوبصورت ہیں۔ اُنکی عورتیں نہایت خوبصورت ہیں۔ ان کی عورتیں اپنی خوبصورتی میں ضرب المثل ہیں جو میانہ قد سڈول اور یکساں صورت ہیں۔ اُن کے سر کے بال ہموار، گاڑھے اور لمبے ہیں۔ یہاں کی لونڈیاں دو سو دینار (اشرفی) بلکہ اِس سے بھی زیادہ قیمت میں بیچی جاتی ہیں[2]"۔

عربوں کے حملوں سے اگرچہ کشمیر کو بعد میں نجات ملی تھی لیکن اس کے بعد تُرکوں نے اِس وادی کو مسخر کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ گیارویں صدی عیسوی میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر لگاتار سترہ حملے کئے جن میں اُسے شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ راجہ سنگرام راج (۱۰۰۳ء تا ۱۰۲۸ء) والئی کشمیر کے عہد میں سُلطان محمود نے اِس وادیٔ جنت بے نظیر کو اپنی گرفت میں لینا چاہا اور اُس نے دو یا تین بار کشمیر پر حملے کئے لیکن یہاں کی تواریخ اِس بارے میں صحیح معلومات بہم نہیں پہنچاتی اور مؤرخین کے نظریات میں اختلاف ہے۔ کلہن پنڈت کی تحریر مبہم ہونے کے ساتھ ساتھ اِس حملے کی طرف اِشارہ کرتی ہے۔ اس نے سنگرام راج (۱۰۰۳ تا ۱۰۲۸ء) کے عہد حکومت میں ہمیر[3] (محمود)

---

[1] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ از سٹائن) چوتھی ترنگ۔ ص ۱۵۸۔
کشیر جلد اوّل ص ۷۷۔

[2] معجم البلدان۔ جلد ۹۔ ص ۹۴۔ بحوالہ معارف کشمیر میں اسلام۔ ص ۳۰۴۔ اپریل ۱۹۸۰ء

[3] راج ترنگنی (سٹائن) ساتویں ترنگ۔ ص ۲۷۲ - ۲۷۳۔ کلہن کے مطابق محمود کے یہ حملے ترلوچن پال پر ہوتے رہے جو شاہی خاندان کا آخری راجہ تھا۔ کشمیر کے (باقی اگلے صفحے پر)

کے حملے کا ذکر کیا ہے۔ سٹائن نے اِس بات کا ثبوت پیش کیا ہے کہ اِس جگہ جس ہمیر کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل محمود ہی تھا۔ اِس سے پہلے ٹامس صاحب بھی یہ بات دکھا چکے ہیں کہ یہ لفظ عربی لقب امیرالمومنین سے نکلا ہوا ہے اور سِکّوں وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزنوی سُلطان کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ رینارڈ صاحب نے بجا طور پر واضح کیا ہے کہ ترلوچن پال کے مخالفوں کے لئے تُرشک کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ محمود کی فوج کے عین حسبِ حال ہے جس میں زیادہ تر تُرکستانی نسل کے سپاہی موجود تھے[1]

سُلطان محمود غزنوی کے کشمیر میں داخل ہونے کے بارے میں فارسی مؤرخین کی رائے مختلف ہے۔ مُلا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تصنیف "منتخب التواریخ" میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے کشمیر پر تین بار حملے کئے۔ پہلی بار اُس نے درہ کشمیر کو بڑی آسانی سے فتح کر لیا بدایونی نے یہ لکھا ہے کہ محمود نے بے شمار کافر قتل کئے اور اُن کی ایک تعداد مشرف باسلام ہوئی اور کچھ کو قیدی بنا کر غزنی روانہ کر دیا گیا[2]۔ دوسری بار اُس نے قلعہ لوہر کوٹ کا محاصرہ کیا لیکن برف و بارش کی زیادتی سے پریشان ہو کر واپس غزنی لوٹ گیا اور تیسری بار اُس نے ایک ماہ تک قلعہ لوہر کوٹ کا محاصرہ کیا۔ مگر اس کے مستحکم ہونے کی وجہ سے اِسے فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ حملے اُس نے بالترتیب ۴۰۴ھ مطابق ۱۰۱۳ء

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ :۔ راجہ سنگرام راج نے ترلوچن پال کی مدد کے لئے اپنے سپہ سالار "تنگ" کی رہنمائی میں کثیر تعداد میں فوج بھیج دی لیکن سُلطان محمود نے اُسے شکست دی۔

[1] ملاحظہ ہو راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ص ۲۷۰، حاشیہ نمبر ۴۷ تا ۶۹۔

[2] منتخب التواریخ از بدایونی (اُردو ترجمہ) ص ۳۸۔۳۹

۴۰۶ھجری مطابق ۱۰۱۵ء، ۴۱۲ھجری مطابق ۱۰۲۱ء میں کئے تھے۔[1]

اسی طرح ایک کشمیری مؤرخ پیر غلام حسن کھویہامی نے بھی محمود کے کشمیر میں داخل ہونے کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ "محمود غزنوی کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ یہاں کا راجہ سنگرام راج (۳۹۸ھ) مقابلہ کی تاب نہ لاکر تحفے و تحائف کے ساتھ سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے راجہ سے کہا کہ یہ تکلیف کیوں کی؟ تو راجہ نے اس کے جواب میں کہا کہ اہلِ اکرام مہمان کی خدمت اور تواضع کرنا اپنے لئے موجبِ فخر و ترقی خیال کرتے ہیں"۔ سلطان راجہ کی اس بات سے ناخوش ہوا اور وہ کشمیر فتح کرنے کے خیال سے باز رہا۔ مؤرخ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان محمود یہاں ایک مہینے کے لئے ٹھہرا۔ اس دوران اُس نے لوگوں کی ایک کثیر تعداد مسلمان بنادی اور خود کوہِ سلیمان پر واقع مندر میں مؤذن کی اذان سُن کر وہیں پر نماز پیشن بھی ادا کی۔[2]

مؤرخ مذکور نے سلطان کے دوسری بار بھی کشمیر آنے کا ذکر کیا ہے۔ اس بار بھی کشمیر میں ایک ماہ گزارنے کے بعد سنہ ۴۱۳ھ میں غزنین واپس چلا گیا۔[3] ان مؤرخین کے بقول محمود غزنوی کشمیر میں داخل ہوا تھا۔ اس کی تائید میں سلطان محمود کے درباری شاعر ابوالحسن علی فرخی سیستانی جو قنوج، سمرقند اور کشمیر کی حدود تک اس کے ساتھ رہا تھا۔ اس کے بعض قصائد بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] منتخب التواریخ از بدایونی (اُردو ترجمہ) ص ۳۸ ـ ۳۹۔

[2] تاریخ حسن۔ جلد ۲، ص ۱۱۵۔

[3] تاریخ حسن ج ۲ ص ۱۲۵

کہ محمود نے کشمیر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کی تھیں ۔ مثلاً قصیدے کے یہ شعر ملاحظہ ہوں؎

ما را رہِ کشمیر ہمی آرزو آید
ما زآرزوی خویش تنابیم بیک موئے
گاہ است کہ یکبارہ بہ کشمیر خرامیم
از دستِ بُتاں پنہہ کنیم از سر بت گوئے
شاہ است بکشمیر اگر ایزد خواہد
امسال نیارام تاکین نکشم زوئے

فرخی کے اِس شعر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اِس جنگ میں شریک ہونے کے لئے بے قرار تھا؎

من بہ نظارۂ جنگ آیم واز بخشش تو
صرصرا بارہ پدید آید و ناز نفسوی

اِن اشعار سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ محمود غزنوی نے کشمیر پر حملہ کرنے کی تیاریاں کی تھیں ۔ سُلطان کے کشمیر کے حدود کے قریب آکر جب یہاں کا راجہ اپنے اندر مقابلے کی تاب نہ پاکر تحفے و تحائف لے کر اُس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اس کے آگے سرِ خم تسلیم[3] کر دیا تھا تو سُلطان نے راجہ کو معاف کر کے اِسے تاج و تخت واپس بخش دیا ۔ اسلئے سٹائن کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ سُلطان محمود کشمیر کو فتح کرنے کے اِرادے سے آکر ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹا تھا ۔

؎ دیوان فرخی ۔ ص ۳۲۵ ۔ کشیر ۔ جلد اول ۔ ص ۵۹

سُلطان محمود کے کشمیر پر حملوں سے وادی میں اشاعتِ اسلام پر کافی اثر پڑا۔ اس بارے میں ابو سعید بیر گردی کے یہ الفاظ قابلِ ذکر ہیں:۔

ترجمہ (فارسی عبارت سے) "سُلطان محمود نے حکم دیا کہ درہ کشمیر کے وہ تمام قلعے برباد کر دیئے جائیں جو قبضے میں لائے گئے ہیں۔ فوج نے اِن قلعوں سے کافی مالِ غنیمت حاصل کیا اور بہت سے غیر مسلموں کو مُسلمان بنایا۔ اِسی سال سُلطان نے یہ بھی کہا کہ جو جگہ غیر مُسلموں سے خالی ہو جائے وہاں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور علمائ و مبلغین کو حکم دیا کہ وہ ہر جگہ جائیں اور غیر مُسلموں کو اسلامی شرائط وحدود سکھائیں۔ خود سلطان کامیابی کے ساتھ غزنین لوٹا۔ نندنہ کی یہ فتح ۴۰۵ھ میں واقع ہوئی"۔

اِن حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں اِسلام کو متعارف کرنے میں سُلطان محمود غزنوی کا اہم حصہ رہا ہے اور اِس کی فتوحات کشمیر میں اِسلام پھیلانے کے سلسلے میں کافی بار آور ثابت ہوئی لیکن سُلطان محمود کے کشمیر میں داخل نہ ہونے کے بھی حوالے موجود ہیں جو بعض تاریخوں میں ملتے ہیں، ان کا خلاصہ یُوں ہے کہ جب ہندوستان کے راجہ ترلوچن پال کو شکست دینے کے بعد محمود نے اپنے دُشمن کے حامی راجۂ کشمیر سنگرام راج کی طرف رُخ کیا اور ۱۰۱۵ء میں توسہ میدان کے راستے سے کشمیر پر حملہ آور ہوا تو یہاں کے مضبوط اور مستحکم قلعہ لوہر کوٹ نے اُس کا راستہ روک لیا اور پُورے ایک مہینے تک قلعے کا محاصرہ کیا۔ اِسی دوران موسم بھی بدل گیا۔ جاڑے کی شدت اور برفباری سے محمود اور اس کی فوج کو سخت پریشانی اُٹھانی پڑی اِس لئے محمود نے مجبوراً غزنین کی طرف مراجعت کی[۱]۔ اِس حملے میں ناکامی کی تصدیق محمود غزنوی کے مؤرخ البیرونی نے

---

[۱] راج ترنگنی مقدمہ از سٹائین۔ ساتویں ترنگ۔ ص ۱۰۸۔ (باقی اگلے صفحے پر)

بھی کی ہے۔

بعض مؤرخوں کے مطابق اگرچہ محمود کشمیر میں داخل نہیں ہو سکا تھا لیکن پھر بھی جنوب کی طرف سے کشمیر کے بلند پہاڑوں کا ایک حصہ اُس نے اپنے قبضے میں لایا تھا۔[1] بہرحال محمود کے کشمیر میں داخل ہونے سے وادی میں ضرور اسلام کے گہرے نقوش پڑے۔ کیوں کہ اِس کے حملوں کے دوران مبلّغینِ اسلام کی ایک بڑی تعداد بھی اسکے ساتھ ساتھ ہوتی تھی جو مفتوحہ ممالک میں اشاعتِ اسلام کا کام انجام دیتی تھی۔ مساجد اور مدارس کی تعمیر کرتے تھے۔ چنانچہ اِس بارے میں پہلے ہی ابو سعید یزدگردی کے الفاظ نقل کئے گئے۔

کلہن پنڈت نے پہلی بار راجہ کلش (۱۰۶۳ تا ۱۰۸۹) کے زمانے میں کشمیر میں مسلمان تاجروں کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنی راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ "صبح کے وقت جب راجہ کلش نے اپنے باپ اننت دیو کے مکانوں کو جلایا تو اننت دیو کی رانی کو جواہرات کا بنا ہُوا ایک لنگ دستیاب ہوا جو آگ سے بچ رہا تھا۔ اسکو رانی نے ستّر لاکھ دینار کو تاک خاندان کے آدمیوں فروخت کیا۔"[2]

سٹائین کو جس نے کلہن پنڈت کی تاریخ کا انگریزی میں شاندار ترجمہ کیا ہے اس بارے میں جو اطلاع حاصل ہوئی ہے اُس سے پتہ چلتا ہے وج برور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) راج ترنگنی، مقدمہ از سٹائین۔ ساتویں ترنگ۔ ص ۱۰۸۔

[1] DYNASTIC HISTORY OF NORTHERN INDIA - BY H.C. RAY - PAGE 137

[2] راج ترنگنی۔ انگریزی ترجمہ، ساتویں ترنگ۔ ص ۳۰۱۔ شلوک ۵۱۴۔

بیجبہاڑہ[1] میں ایک مسلمان خاندان آباد تھا۔ یہ "تاک" نام سے مشہور تھا اور اِس خاندان کے لوگ تاجر کی حیثیت سے بہت شہرت رکھتے تھے۔ پروفیسر بوھلر نے سٹائین کو بتایا تھا کہ اِس خاندان کا نام "تاک" اِس اعتبار سے تھا کہ وہ کسی زمانے میں تک دیشی سے تعلق رکھتا تھا۔[2] چنانچہ یہ خاندان آج تک "وج برور" میں اِسی نام سے باقی ہے۔

کلہن نے یہ بھی لکھا ہے کہ راجہ کلش نے جے وَن (موجودہ موضع زیون) کے قریب ایک شہر آباد کیا تھا۔[3] سٹائین نے بوُھلر کی رپورٹ (ص ۶) کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ جے وَن موجودہ زیون جو سرینگر کے شمال مشرق میں چھ[6] میل کے فاصلے پر واقع ہے، کے اِسلامی قبرستانوں اور مکانات میں تراشے ہوئے پتھر ملتے ہیں۔[3] اِس سے پتہ چلتا ہے کہ گیارویں صدی عیسوی میں اِس شہر میں ایک اسلامی قبرستان بھی تھا اور یہ قبرستان اِس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں گیارویں صدی عیسوی سے بہت پہلے اِسلام پھیل چکا تھا جِس کے نتیجے میں یہاں کے لوگ مُردوں کو جلانے کے بجائے دفنانے لگے تھے۔ اِس طرح گیارویں صدی عیسوی میں ایک بڑا قبرستان وجود میں آیا تھا۔ علاوہ ازیں کلہن نے اِسی راجہ کے عہد میں اِس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ اس کی حکومت کے دوران عہد میں باہر سے مُسلمان کاریگر یہاں آئے تھے جو فنِ تعمیر میں اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ مندروں کے چتر وغیرہ بھی بنا سکتے تھے۔[4]

---

[1] بیجبہاڑہ سری نگر سے تیئس[23] میل دُور ایک موضع ہے۔

[2] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ ص ۳۰۱ [3] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ ص ، ۳۱ شلوک ، ۷ [4] راج ترنگنی (انگریزی ترنگ) ساتویں ترنگ ص ۲۱

بہرحال تمام مورخ اِس بات پر متفق الرائے ہیں کہ اسلام کی اشاعت میں مُسلمان تاجروں کا اہم حصّہ رہا ہے لیکن کشمیر کے اِن مسلمان تاجروں کے متعلق مورخین خاموش ہیں۔ تاک خاندان کے مُسلمان تاجروں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہاں کے لوگ تاجر تھے اور باہر کے مُلکوں کے ساتھ اُن کے تجارتی روابط رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ کشمیر کی اپنے اِرد گرد کے علاقوں سے تجارتی رشتہ داری زمانۂ قدیم سے چلی آئی ہے۔ اِس رشتہ داری نے کشمیر میں ایک خاموش انقلاب لایا اور کشمیریوں کی زندگی پر کافی گہرے اثرات ڈالے۔ وہ اثرات مذہب اِسلام سے متاثر ہونے کے تھے۔

جیساکہ اُوپر ذکر ہوا کہ گیارویں صدی عیسوی کے دوران کشمیر کے ہمسایہ ممالک میں اِسلام پھیل چکا تھا اور اِن نواحی علاقوں کے ساتھ کشمیریوں کے تجارتی تعلقات تھے۔ چنانچہ یہاں کے لوگ وہاں تجارت کی غرض سے جاتے تھے اور وہاں کے لوگ یہاں آتے تھے۔ کشمیری وہاں جاکر اِسلام کی نئی روشنی سے مُتاثر اور روشناس ہونے لگے جس سے آہستہ آہستہ اُن کے عقیدوں میں تبدیلی آنے لگی اور اُنہوں نے رفتہ رفتہ اِسلامی نظریات کو اپنانا شروع کیا۔ ایم۔ ایل۔ کپور کے لکھنے کے مطابق کشمیر میں اِسلام نے دوسرے راستوں کی نسبت پنجاب کے راستہ سے زیادہ راستہ پایا ہے وہ یوں رقمطراز ہے:۔

"ISLAM TRAVELLED TO KASHMIR MORE FROM THE SIDE OF PUNJAB THAN ANY OTHER DIRECTION" [1]

[1] سٹڈیز اِن ہسٹری اینڈ کلچر آف کشمیر۔ صفحہ ۷۰

اور یہ تحریر صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ پنجاب دوسرے ہمسایہ مُلکوں کی نسبت ہماری بہت سی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا اور وہاں سے ہماری ضرورت کی اشیاء پیر پنجال کے راستے سے آتی تھیں۔ اِس لئے پنجاب میں اسلام پہنچنے کے ساتھ ہی کشمیر میں بھی اسکے اثرات پڑنے شروع ہوئے تھے [1]

یہ ایک حقیقت ہے کہ وادیٔ کشمیر زمانۂ قدیم سے بہت سے عقیدوں، فلسفوں فرقوں اور مذہبوں کو اپناتی چلی آئی ہے۔ یہاں کے لوگ بھی نئے خیالوں، نئے عقیدوں اور نئے مذہبوں کو اپنانے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے چلے آئے ہیں۔ اُنکے خیال میں جو بھی نیا مذہب یا فلسفہ صحیح ہوتا تھا وہ اِسے خوشی خوشی قبول کر لیتے تھے۔ اِس سلسلے میں پریم ناتھ نے لکھا ہے:-

"KASHMIR HAS BEEN THE MEETING GROUND OF VARIOUS PHILOSOPHERS, CREEDS AND REGIONS. ITS PEOPLE HAVE OVER KEPT THEIR MINDS OPEN TO RECEIVE NEW THOUGHTS" [2]

---

[1] پنجاب میں سندھ اور ملتان کے ذریعے سے اِسلام ساتویں صدی ہجری میں داخل ہوگیا تھا اور نویں صدی ہجری میں یہاں کے حکمران نے ایک حادثہ سے متاثر ہوکر اِسلام قبول کرلیا جو البلاذری کے مطابق ۲۱۸ھ اور ۲۲۸ھ کے درمیان پیش آیا تھا۔ ملاحظہ ہو "معارف" (مارچ ۱۹۸۰ء، کشمیر میں اسلام، صفحہ ۲۳۴)۔

[2] اے ہسٹری آف کشمیر۔ صفحہ ۱۷۹۔

آٹھویں صدی عیسوی سے ہی جب کشمیر میں اِسلامی اثرات پھیلے اور کشمیر کے نواحی علاقوں نے مذہب اِسلام کو پُوری طرح اپنایا تو یہاں کے لوگ بھی آہستہ آہستہ اِس نئے مسلک کی طرف مائل ہونے لگے۔ وہ اِس نئی روشنی سے متاثر ہوئے اور اِس روشنی نے بہت جلد اُن کے دِلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنے نُور سے اُن کے روح وقلب کو جگمگانا شروع کر دیا۔ چونکہ مذہب اِسلام سیدھے سادھے اور واضح اُصولوں اور مساوات پر مبنی ہے۔ اِس لئے نہ صرف عوام بلکہ یہاں کے ہندو راجے بھی اِس نئے مذہب سے اثر قبول کئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ اِس دور میں کئی ایسے راجے نظر آتے ہیں جنہوں نے مندروں کو مسمار کیا۔ مورتیوں کو توڑ ڈالا اور اِن مندروں کی بے انتہا دولت اپنے ذاتی اخراجات کے لئے وقف کر دی تھی۔ مثال کے طور پر راجہ شنکر اورمن (۸۸۳ تا ۹۰۲ء) مورتی پوجا کے خلاف تھا۔ اس نے مندروں کے اندر موجود مال اور دولت کو لوٹ لیا۔ مندروں میں صندل کی لکڑی اور پوجا کے سامان کو فروخت کر دیا اور اِس رقم کو اپنے ذاتی اخراجات کے لئے خرچ کیا۔ اِس طرح اُس نے چونسٹھ[۶۴] مندروں کو لُوٹ لیا تھا۔[۱]

راجہ شنکر اورمن کے بعد راجہ ہرش (۱۰۸۹ تا ۱۱۰۱ء) نے مورتیوں کو توڑنے اور مندروں کو توڑنے اور مورتیوں کو مسمار کرانے میں اپنا نام پیدا کیا۔ اس نے اِس معاملے میں خوب فراخدلی سے کام لے کر جگہ جگہ مندروں کو مسمار کرایا۔ مورتیوں کو نیست و نابود کر ڈالا۔ اُس نے اِس کام کے لئے کچھ آدمیوں کو مقرر کیا تھا۔ مثال کے طور پر اُس نے دیوتاؤں کی مورتیاں حاصل کرنے کے لئے "اددے راج" کو دیوت

---

[۱] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) پانچویں ترنگ۔ ص ۲۰۸۔

(دیوتائی مورتیوں کو اُکھاڑنے والا کوتوال) کا عہدہ دیا اور اِن مورتیوں پر نجاست اور پیشاب ننگے فقیروں کے ذریعے جن کے ہاتھ پاؤں اور ناک گل چکے ہوں، ڈلوایا کرتا تھا[1]۔

اِس سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ ہرش کشمیر کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے نظریۂ اسلام سے بہت قریب آچکا تھا اور اس نے مذہب اسلام کا پورا اثر لیا تھا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود ایک بلند پایہ عالم تھا۔ ایک عظیم زبان دان۔ وہ شاعر تھا اور کئی زبانیں جانتا تھا اور اِن زبانوں میں شاعری بھی کرتا تھا[2]۔ اُس نے خود کتابیں پڑھی تھیں اور اُن کا وسیع مطالعہ کیا تھا جس کے نتیجے میں اُس کی آنکھیں کھل گئیں تھیں اور اُس کے خیالات وسیع تر ہوئے تھے۔ وہ ایک فراخدل حکمران بنا تھا اور اُس میں صحیح و غلط کی تمیز اور پہچان کرنے کا احساس بیدار ہوا تھا اور اُس نے "بُت پرستی" سے بدگمان ہو کر بُت شکنی اختیار کی تھی۔ وہ اِسلامی نظریہ سے بہت قریب آچکا تھا اور ہندو دھرم سے متنفر ہو چکا تھا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کلہن پنڈت نے اگرچہ راجہ ہرش کے بارے میں تفصیل سے کام لیا ہے لیکن پھر بھی اس کے اِسلامی عقیدے کے قریب آنے کے بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ راج ترنگنی ہرش کے ہی زمانے میں لکھی گئی اور کلہن نے ہرش کے مذہب اسلام سے متاثر ہونے کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی ہے لیکن پھر بھی راجہ ہرش کو اُس نے "ترشکا" یعنی مسلمان کا نام دیا ہے اور "ترشکا" راجہ کہہ کر اُس کا نام لیا ہے اور

---

[1] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ۔ ص ۳۵۲۔

[2] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ۔ ص ۲۱۷۔

Scanned with CamScanner

اور اُس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس "تُرشک" راجہ نے کسی گاؤں یا قصبے یا شہر میں کوئی بھی ایسا مندر نہیں چھوڑا تھا جس کو اُس نے ناپاک نہ کیا ہو[1] مندروں اور مورتیوں کے ناپاک کروانے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ راجہ ہندو دھرم سے متنفر ہو کر مذہب اسلام میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

راجہ ہرش نے اپنے ملک میں نئے شاندار فیشن رائج کئے۔ سر پر پگڑی، کانوں میں بالیاں ڈالنے کا رواج قائم کیا اور عام لوگوں کے لئے ایسا لباس رائج کیا جو راجاؤں کے لائق تھا[2]۔ چنانچہ سٹائین نے اس کے نئے فیشن رائج کرنے اور لباس میں تبدیلی لانے کے بارے میں اپنی رائے کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:-

" HARSA INTRODUCED IN TO THE COUNTRY MORE ELABORATED FASHIONS IN DRESS AND ORNAMENTS PERHAPS AN INDICATION OF WESTERN, i.e MOHAMADAN INFLUENCE AND MADE HIS COUNTRIERS IMITATE HIS OWN TASTE FOR EXTRA VAGANCE IN PERSONAL ATTIRE[3] "

اتنا ہی نہیں بلکہ اس راجہ کو دکنی طرز کی تفریحات پسند تھیں۔ اس لئے اُس نے کرناٹ

---

[1] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ ص ۳۵۳۔

[2] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ ص ۳۳۹۔

[3] راج ترنگنی مقدمہ از سٹائین ص ۱۱۲۔

کی وضع کا ٹانک سکہ مروّج کیا۔ یہ سکے سونے کے ہوتے تھے اور ان پر ہرش کا نام موجود تھا[1]۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ ہرش نے کرناٹک جیسے ملک سے بھی کافی اثرات قبول کئے تھے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ راجہ ہرش نے مذہب اسلام کا اِس قدر اثر قبول کیا تھا کہ اُس نے بُتوں کو توڑ ڈالا اور مندروں کو مسمار کر دیا۔ اس کے عہد میں سونے چاندی کی مورتیوں کو چھوڑ کر جنہیں وہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے فروخت کیا کرتا تھا دوسری دھاتوں کی دیوتائی مورتیاں نجاست سے آلودہ ہو کر اور اُن کے ٹخنوں کے گرد رسیاں باندھ کر لوُلے، لنگڑے فقیر سڑک پر اُن کو گھسیٹتے پھرتے تھے[2]۔

یہاں پر اِس بات کی طرف اِشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض مؤرخوں نے راجہ ہرش کی مورتیوں کو توڑنے اور مندروں کو مسمار کرانے کی وجہ اِس دور کی اقتصادی بدحالی کو قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ راجہ ہرش نے تنگ حالی اور مالی فراہمی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے اور شاہی خزانہ کا دیوالیہ نکلنے کے باعث مندروں اور مورتیوں کو توڑ ڈالا۔ اِس طرح سے مال و دولت حاصل کر کے اپنے مُلک کو اقتصادی بدحالی سے بچا لیا۔ لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر راجہ ہرش کے عہد کو اقتصادی لحاظ سے بدحال بھی مان لیا جائے تو بھی اِس راجہ کو اپنے دھرم کی مقدس مورتیوں کو نہ تو فروخت کرنے کا ہی اور نہ ہی اُن کو سڑک پر گھسیٹ کر لے جانے کی اِجازت دینے کا حق تھا۔ کیوں کہ یہ نہ صرف بداعتقادی کی انتہا ہے بلکہ بے احترامی کی بھی۔

ہر حال جن مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ راجہ ہرش کا عہد اقتصادی طور پر بدحال

---

[1] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ۔ ص ۳۴۔

[2] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ۔ ص ۳۵۳۔

اُنہوں نے دراصل ملکی حالات کے حقائق سے جان بُوجھ کر چشم پوشی کی ہے
کیوں کہ اگر ایک غیر جانبدار شخص راجہ ہرش کے عہد کا اچھی طرح جائزہ لے تو یہ
حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ اس کا عہد کافی خوشحال اور آسودگی کا زمانہ تھا
روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ چنانچہ جس دور میں سونے کے سکے رائج ہوں گے
اُس دور کی اقتصادی حالت کیسے اَبتر ہو سکتی ہے؟ کلہن نے لکھا ہے کہ اِس
زمانے میں ملک میں طلائی اور چاندی کے سکوں کا چلن بہت زیادہ تھا لیکن تانبے
کے سکے شاذ و نادر ہی چلتے تھے۔ [1]

اِن واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ راجہ
ہرش کے نواحی علاقوں میں اِسلامی سلطنت کے قائم ہونے اور دینِ اِسلام کے
اثرات اس کی سرحدوں سے دُور دور تک پہنچنے کے نتیجے میں، جن میں لازماً
ملک کشمیر بھی شامل تھا، راجہ مذکور اِسلامی اثرات اور معتقدات کی زد میں آچکا
تھا۔ اگرچہ وہ مصلحتاً اپنے تبدیلیٔ اعتقاد کو آشکارا کرنے میں ہچکچاہٹ سے
کام لیتا تھا لیکن اسلامی عقائد، نظریات اور طرزِ فکر سے ضرور آشنا ہو چکا تھا
اور متاثر بھی ہوا تھا۔ چنانچہ اِس موضوع پر بحث کرتے ہوئے ایک ہندو
مصنف ایم۔ ایل۔ کپور نے لکھا ہے:

"THE FACT HOWEVER GOES TO SHOW THAT KASHMIR WAS THEN NOT AT ALL PASSING THROUGH FINANCIAL CRISES ......" PURELY THERE WAS

[1] راج ترنگنی (انگریزی ترجمہ) ساتویں ترنگ۔ ص ۳۴۲۔

ALSO SOME ISLAMIC INFUELNCE ON HARSA THAT HE WENT BEYOND PLUNDRING TEMPLES AND ATRARIOUSLY DEFILORY THE IMAGES IS A SIGNIFICANT POINTER TOWARDS THIS END"[1]

اِس کے علاوہ راجہ ہرش نے اپنی فوج میں مسلمان فوجی افسروں کو بھی بھرتی کیا تھا اور اُن کے عیش و آرام کے لئے کافی روپیہ بھی وقف رکھا تھا[2]۔ ظاہر ہے کہ راجہ ہرش کے زمانے میں وادی میں مسلمان بھی آباد تھے، اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں رہے ہوں گے۔ چنانچہ اِس راجہ کے بعد بھکشاچر (۱۱۲۰ تا ۱۱۲۱ء) نے بھی اپنی فوج میں مسلمان سپاہی ملازم رکھے تھے اور اُس نے اپنے دشمن "سسل" پر لوہر میں حملہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی ایک بڑی فوج مدد کے لئے اپنے ہمراہ لی تھی[3]۔

"مارکوپولو" کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں کشمیر میں مسلمان آباد تھے۔ وہ آگے لکھتا ہے کہ کشمیر کے لوگ جانوروں کو مارتے تھے لیکن اگر کبھی گوشت کھانا چاہتے تو وہاں کے مسلمان اُن کے لئے جانور ذبح کر دیتے تھے۔ یہ مسلمان یا تو کشمیر کے اصلی باشندے ہوں گے جنہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا یا ترکستان کے مہاجر ہوں گے[4]۔

---

[1] سٹڈیز اِن ہسٹری اینڈ کلچر آف کشمیر۔ ص ۵۷ [2] راج ترنگنی (سٹائین) ساتویں ترنگ۔ ص ۳۵۷۔ کشیر جلد اوّل۔ ص ۷۷ [3] راج ترنگنی (اردو ترجمہ از اچھر چند) جلد دوم ۱۲۹۔ آٹھویں ترنگ [4] کشمیر سلاطین کے عہد میں (اردو ترجمہ) ص ۲۶۷۔

بہر حال اِس طرح کے سیاسی اور سماجی حالات کے پیشِ نظر یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ جو مسلمان یہاں آباد تھے، نیز وہ ترکستانی فوجی جو ہرش اور راجہ سسل کے عہدِ حکومت میں یہاں کی فوج میں شامل کئے گئے تھے۔ عام لوگوں سے میل جول رکھنے کے نتیجے میں اپنے افکار و عقائد کی آزادانہ تبلیغ کرنے میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں یہاں کے لوگ اِسلامی دائرے میں آتے رہے۔

مقامی تذکروں اور تاریخوں کی رُو سے عام طور پر کشمیر میں اِسلام کی آمد اور اِشاعت کا سلسلہ پہلے صوفی بزرگ حضرت بُلبل صاحبؒ سے منسوب کیا جاتا ہے جنہوں نے یہاں کے بُدھ مذہب سے منسوب حکمران رینچن شاہ کو مشرف با اسلام کیا اور اس کا نام سُلطان صدرالدین رکھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وادی میں اِسلام پھیلانے کا سہرا اُن تاجروں اور سپاہیوں کے سر ہے جنہوں نے اِس صوفی بزرگ سے صدیوں پہلے وادیٔ کشمیر کو مذہب اِسلام سے روشناس کرایا۔ لیکن افسوس ہے کہ تمام تاریخوں میں اُن کی سرگرمیوں پر کچھ نہیں لکھا گیا ہے۔ چوں کہ اِن مؤرخوں نے پوری طور پر تحقیق کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی ہے۔ اِس لئے یہ حقیقت تاریخوں میں پردۂ اخفا میں رہی ورنہ غیر جانبدارانہ مؤرخین اِس حقیقت کا انکشاف کرتے کہ کشمیر میں آٹھویں صدی عیسوی سے ہی اِسلام کا پَرتو پڑنا شروع ہوا تھا اور چودھویں صدی عیسوی تک رفتہ رفتہ یہاں کے لوگوں میں اِسلام پھیلتا رہا جب کہ اِس صدی میں کشمیر میں مُسلمانوں کی ایک خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ اِس بارے میں مطابق

کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے :-

"ISLAM MADE ITS WAY INTO KASHMIR NOT BY FORCEABLE CONQUEST BUT BY GRADUAL CONVERSION, FOR WHICH INFLUENCE OF FOREIGN ADVANTURERS BOTH FROM THE SOUTH AND FROM THE CENTRAL ASIA HAD PREPARED THE GROUND[1]"

ترجمہ :- کشمیر میں اِسلام کی اشاعت جبراً یا زبردستی نہیں ہوئی ہے بلکہ آہستہ آہستہ لوگ اِس نئے مذہب کو خود ہی اپناتے چلے گئے ۔ اِس مذہب کی اشاعت کے لئے جنوب اور وسط ایشیا سے آئے ہوئے غیر ملکی سیاحوں نے زمین ہموار کی"۔

تو گویا مذہب اِسلام کا بیج اِن ہی غیر ملکی سیاحوں نے بویا تھا جو وقت آنے پر یعنی چودھویں صدی عیسوی میں راجہ سہدیو (۱۳۰۱ تا ۱۳۲۰ء) کے زمانے میں ایک بڑے پودے کی شکل میں نمودار ہوا ۔ چنانچہ اس کی تائید میں ایک ہندو مؤرخ لکھتا ہے :-

"BY THE TIME OF SUHADEVA (1301-1320 A.D) A FAIR PROPORTION OF THE PEOPLE OF KASHMIR HAD ACCEPTED ISLAM[2]"

---

[1] سٹڈیز اِن ہسٹری اینڈ کلچر آف کشمیر ص ۱۶۸ ۔ بہارستانِ شاہی کے مصنف نے بھی اِس بات کا اعتراف کیا ہے ملاحظہ ہو ورق ۷ (ب) [2] راج ترنگنی (مقدمہ) ص ۱۳۰

راجہ سہدیو کے زمانے میں ایک لداخی شہزادہ رینچن[1] نامی وارد کشمیر ہوا تھا۔ یہ والیٔ تبت کا لڑکا تھا۔ اُس کا باپ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا لیکن رینچن نے نے بھی اپنے باپ کے دشمنوں سے بدلہ لیکر ان کو قتل کر دیا اسکے بعد اپنے دشمنوں کی مخالفت اور خوف سے تنگ آکر وہ کشمیر بھاگ آیا۔ اور یہاں کے راجہ سہدیو نے اسے ایک شہزادہ کی حیثیت سے موضع گگنہ گیر[2] بطور جاگیر بھی عطا کی۔

راجہ سہدیو کے ہی زمانے میں زولچو (بعض مورخین کے مطابق زوالقدر خان) نے کشمیر پر حملہ کیا اور یہاں پر قتلِ عام کا حکم دیا۔ سہدیو مقابلہ کی تاب نہ لاکر کشتواڑ بھاگ گیا۔ اسی دوران شہزادہ رینچن نے کشمیر پر حملہ کیا اور یہاں پر قتلِ عام کا حکم دیا۔ سہدیو مقابلہ کی تاب نہ لاکر کشتواڑ بھاگ گیا۔ اسی دوران شہزادہ رینچن نے کشمیر کی حکومت کی بھاگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

رینچن شاہ کو بعض مورخین نے بُدھ دھرم کا پیرو کار بتایا ہے لیکن اصل میں وہ اس دھرم سے بھی مطمئن نہیں تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہاں کے ایک فارسی مؤرخ (مصنف بہارستان شاہی) نے لکھا ہے کہ رینچن تخت نشین ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی ایک مذہب سے وابستہ کرانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ کسی مذہب کا معتقد نہیں رہا تھا۔ لہذا اُس نے ہندوؤں اور مسلمانوں

---

[1] رینچن کا پورا نام لہاچن رگیالبو رینچن بتایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو "KASHMIR UNDER SULTANS" (اُردو ترجمہ)

[2] گگنہ گیر موضع لار کا ایک مشہور قلعہ تھا۔ جس کے آثار ابھی تک وہاں موجود ہیں اور موضع لار سونہ مرگ میں واقع ہے۔

میں سب سے بڑے عالموں کو اپنے پاس بُلایا اور اُن سے اُپنے اُپنے مذہب کی تفصیل پوچھی۔ ہندوؤں نے اُسے ہندو دھرم اور مسلمانوں نے اُسے مذہبِ اسلام کو اپنانے کی تلقین کی لیکن وہ کسی سے بھی راضی نہ ہوا اور کسی نے اُس کو متاثر نہیں کیا۔ اس کے بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ کل صبح سویرے جس آدمی پر اُس کی نظر پڑے گی وہ اُسی کا مذہب اختیار کرے گا۔ چنانچہ صبح سویرے اُس کی نظر ایک درویش صفت آدمی پر پڑی جو صبح کی نماز اَدا کر رہا تھا۔ اِس درویش کا نام حضرت بابا بُلبل شاہ صاحب تھا۔ رینچن نے اِس درویشِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرکے ۷۲۶ھ میں مذہبِ اِسلام قبول کرلیا[1] اور بُلبل شاہ صاحب نے اُس کا اِسلامی نام "سُلطان صدرالدّین" رکھا۔ کشمیر میں سلطان صدرالدّین نے سب سے پہلے مسلمان حکومت کا آغاز کیا۔[2]

رینچن شاہ نے اپنے مرشدِ بزرگوار" بابا بُلبل شاہ صاحب" کے لئے دریائے جہلم کے کنارے ایک خانقاہ تعمیر کروائی جو کشمیر کی پہلی خانقاہ ہے۔ اِس میں درویشوں، قلندروں، محتاجوں، مسکینوں اور مُسافروں کے لئے ایک لنگر بھی جاری کیا گیا تھا، جس کا نام بُلبل لنگر پڑا اور یہ جگہ آج بھی محلہ

---

[1] بہارستان شاہی۔ ورق ۷، الف۔ تاریخ حیدر ملک۔ ص ۳۷۔ "طلوعِ آفتابِ دینِ احمدی" (۷۲۶ھ) سے یہ تاریخ نکلتی ہے۔ تاریخ حسن، جلد دوم، ص ۱۶۶

[2] سلطان صدرالدّین کے بعد اگرچہ راجہ سہدیو کے بھائی "اُدیان دیو" نے کشمیر پر پندرہ سال حکومت کی۔ لیکن اسکے بعد شہمیر نے اپنی حکومت کا آغاز کرکے کشمیر میں ہندو حکمرانوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

بلبل لنگر کے نام سے مشہور ہے ۔ اِس کے علاوہ رینچن شاہ نے اپنے پیرو مرشد کے لئے اپنی حویلی کے ساتھ ہی ایک بڑی مسجد بنائی ۔ کشمیر میں یہ پہلی مسجد تھی[1] لیکن کچھ عرصہ کے بعد اِس میں آگ لگ گئی اور یہ مسجد جل گئی ۔ اِس کے بعد رینچن نے اِس کی جگہ ایک چھوٹی مسجد تعمیر کروائی جو آج تک آستانہ عالیہ اویسی صاحب (عالی کدل) کے متصل موجود اور "رینچن شاہ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے ۔

حضرت بابا بلبل شاہ قلندر "پہلے صوفی بزرگ ہیں جن کے کشمیر میں داخل ہونے کی سند ملتی ہے ۔ اُن کے نام کے بارے میں اختلاف ہے ۔ محی الدین مسکین نے آپ کا نام سید عبدالرحمان یا شاہ بُلبل مانا ہے اور لقب بُلبل شاہ لکھا ہے :

بدہ خوش نوار بُلبل باغ جان
لقب شاہِ بُلبل شُد او را ازان[2]

مؤرخ مذکور نے مزید لکھا ہے کہ آپ پہلی بار کشمیر آکر واپس چلے گئے ۔ دوسری بار راجہ سہدیو کے عہد (۷۲۵ھ) میں حُکمِ الٰہی کی تعمیل میں وادی کشمیر میں اشاعت اسلام کی غرض سے آئے[3] اور یہاں رینچن شاہ کو اہل وعیال سمیت مشرف بہ اسلام کیا ۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کا متبنٰی (منہ بولا فرزند) تھے[4]

---

[1] بہارستانِ شاہی ۔ ورق ۸ ب ۔ تاریخ حیدر ملک ۔ ص ۲۷ ۔ تاریخ حسن ، جلد دوم ۔ ص ۱۶۷ ۔ واقعاتِ کشمیر ۔ ص ۳۰ ۔ کشیر جلد اوّل ۔ ص ۸۲ ۔

[2] تاریخ کبیر ص ۶ ۔ بعض مؤرخوں نے آپکا نام سید محمد شریف عرف بُلبل شاہ لکھا ہے لیکن مؤلف حیدر ملک اور بہارستانِ شاہی نے آپکا نام صرف بابا بلبل قلندر لکھا ہے ۔

[3] تاریخ کبیر ص ۶ ۔ واقعاتِ کشمیر ۔ ص ۳۰ تا ۳۱ ۔

آپ شاہ نعمت اللہ ولی کے مرید اور شاگرد تھے۔[1] موٴلفِ بہارستانِ شاہی نے بھی آپکو شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا مرید لکھا ہے۔ چنانچہ اُس نے اس سلسلے میں مزید لکھا ہے کہ جب رینچن نے بابا بُلبل قلندرؒ سے اُن کے نام وغیرہ کے بارے میں پُوچھا تو حضرت بُلبل شاہؒ نے یُوں فرمایا۔

نعمت اللہ ماست پیر ولی — یادگارِ محمد است و علی
نعمت اللہ ہست بود و بود — نعمت لایزال لم یزلی
نعمت اللہ را شوی منکر
ور شوی کافری و اخلی[2]

بعض مورخوں کے مطابق آپ راجہ سہدیو کے عہد میں منگولوں کے حملے کے خوف سے کشمیر میں ایک ہزار پناہ گزینوں کے ساتھ ترکستان سے آئے تھے۔[3]

بہرحال رینچن شاہ کا بُلبل شاہ سے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ اِسلام کی

---

[1] ریاض الاخیار ترجمۂ اسرار الابرار ص ۸۔ نوادر الاخبار۔ ورق ۱۴، الف۔ کشیر جلد اوّل ص ۱۸۔ کشمیر سلاطین کے عہد میں ص ۵۵۔ واقعاتِ کشمیر ص ۲۵۔

[2] بہارستانِ شاہی۔ ورق ۸ ب۔

[3] کشمیر سلاطین کے عہد میں ص ۵۵ ایک اور مصنف نے لکھا ہے کہ بلبل شاہ صاحب معہ بارہ سو مریدوں کے ۱۲۹۵ء میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ اُنکے اخلاق اور عادات، کشف و کرامات کو دیکھ کر یہاں کے لوگ جوق در جوق مسلمان ہو گئے (ملاحظہ ہو، نگارستانِ کشمیر ص ۳۷۰)۔

اشاعت میں کافی اہم ثابت ہوا۔ کیوں کہ اِس کے ساتھ ہی شاہی دربار کے اُمرا اور اراکینِ سلطنت نے بھی اِسلام قبول کیا۔ اس کے علاوہ عام لوگ جوق در جوق بُلبل شاہ کے ہاتھوں اِسلام سے فیض یاب ہوئے[1]۔ شاہی سرپرستی کی وجہ سے لوگ بڑی بے فکری سے دائرہ اسلام میں شامل ہو گئے روایت ہے کہ دس، بارہ ہزار باشندوں نے اِس صوفی بزرگ کے ہاتھوں اِسلام قبول کر لیا[2]۔ اِس طرح حضرت بُلبل شاہ کے ہاتھوں وادیٔ کشمیر میں اِسلام کی پُر زور اِشاعت ہوئی۔ بلکہ ایک مصنف نے یہاں تک لکھا ہے کہ یہاں کی آبادی کا صرف ساتواں حصّہ ہندو دھرم کا پیرو کار رہا اور باقی سبھوں نے اِسلام قبول کر لیا[3]۔

یہاں پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ تاجروں کے بعد کشمیر میں اسلام کی اشاعت کا سہرا صوفیائے کرام ہی کے سر ہے۔ وہ وادی میں صرف تبلیغِ دین کی غرض سے آئے تھے اور ایک بیگانے ملک میں مذہبی انقلاب کو وجود میں لے آئے۔ اِس مقصد کو انجام دینے کے لئے اِن خدا دوست بزرگان کے لئے نہ کوئی ہتھیار تھا اور نہ تیر و تفنگ۔ اُن کا سامان اللہ کی دوستی اور اِس پر ایمانِ کامل تھا اُن کے پاس فطری دینِ اسلام کے بے داغ اور گہرے عقائد کے سِوا کچھ نہ تھا۔ اُنہوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر کے وادیٔ کشمیر کو اِسلام کے نُور سے منوّر کر کے

[1] تاریخ حسن۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۶۔ بہارستان شاہی۔ ورق ۸ ب۔ واقعاتِ کشمیر ص ۳۵۔ تاریخ حیدر ملک۔ ص ۳۷ [2] کشمیر جلد اوّل۔ ص ۸۳

[3] HAPPY VALLEY. W. WAKEFIELD. P.91

اور یہاں کی آبادی کا تقریباً پورا حصہ مشرف بہ اسلام کیا۔ یہاں پر اس بات کی وضاحت کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مذہبِ اسلام کی وادیٔ کشمیر میں بہت جلد اور کامیاب اشاعت ہوئی۔ برخلاف اس کے سابق اور قدیم دھرموں بدھ مت اور شیومت کے۔ اِن دونوں قدیم دھرموں میں وادیٔ کشمیر میں زوال آگیا اور کبھی عروج حاصل ہوا۔ لیکن صرف مذہبِ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ اُبھرنے کے بعد اس میں پھر کبھی زوال نہیں آیا۔ یعنی لوگ اِس کے قبول کرنے کے بعد پھر کسی اور مذہب یا دھرم کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ اِس کی چند وجوہات تھیں اور وہ یہ کہ اسلام سے پہلے وادی کی پوری آبادی جو ہندو دھرم کی معتقد تھی، ذات پات میں بٹی ہوئی تھی۔ صرف ہندوؤں کا برہمن طبقہ خوشحال تھا۔ باقی طبقے ذات پات کے بندھنوں میں جکڑے تھے، کبھی سکھ اور آرام کی سانس نہیں لے سکتے تھے۔ نچلے طبقوں کے لوگ ہمیشہ برہمن طبقے کے محتاج تھے اور اُنکے احکامات کی تعمیل اُن کے لئے فرضِ اوّلین تھا۔ برہمن طبقے کے لوگ تمام دوسرے لوگوں سے اپنے آپ کو برتر اور اعلیٰ سمجھتے تھے اس لئے اُنہیں راجوں اور مہاراجوں کے دربار میں بے حد اقتدار حاصل تھا۔ وہ بادشاہوں کو کبھی تخت پر بٹھلاتے اور کبھی تخت سے ہٹاتے تھے۔ عام لوگوں کو نہ صرف حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اُن کو اپنا غلام اور فرماں بردار سمجھتے تھے۔ تعلیم صرف برہمن طبقے کے لئے محدود تھی۔ برہمن اگر مقدس کتابوں سے مندروں میں اشلوک پڑھتے اور اچانک آواز کسی عام آدمی کے کانوں میں جاتی تو اسے یا تو قتل کر دیا جاتا یا اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔ برہمن لوگ سلطنت

Scanned with CamScanner

سلطنت کے تمام ٹیکسوں سے بَری تھے اور کمر توڑ مالی مشکلات اور ٹیکسوں کا سامنا عوام کو کرنا پڑتا تھا۔ مندروں میں جانے کے لیے بھاری نذرانے چڑھانے پڑتے تھے اور اِس پر بھی وہ نیچ سمجھے جاتے تھے۔ اِس طرح عام لوگ اِن مصائب کا سامنا کر کے مجبوراً اپنی زندگی خالص غلامی کے عالم میں بسر کرتے۔

اِن حالات میں جب یہاں کے عام لوگوں نے ایک نئے فلسفے کو اُبھرتے دیکھا جو ہر اِنسان کو برابر کا درجہ دیتا ہے جس میں مُساوات کا پیغام ہے اور جو ذات پات اور اُونچ نیچ کا کوئی فرق نہیں رکھتا بلکہ ہر امیر و غریب اور ہر فرد کے لئے ایک جیسا سلوک رَوا رکھنا سِکھاتا ہے۔ تو اِن مظلوم لوگوں کے لئے چھٹکارا پانے کا ایک نیا راستہ نکل آیا۔ چوں کہ وہ برہمنوں کے ظلم و ستم سے بہت تنگ آچکے تھے اور اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ کشمیر میں اِسلام کے پہنچتے ہی مُسلمان بنتے گئے۔ آہستہ آہستہ یہاں کی آبادی کا اچھا خاصا حصّہ اِسلام کے دائرے میں آگیا۔

غرض بُلبل شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری تمام مفلوک الحال مظلوم اور ستم رسیدہ لوگوں کے لئے ذریعہ نجات ثابت ہوئی اور لوگ اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اِسلام کے تابناک اور اِنسانی ہمدردی، بھائی چارے اور مُساوات و برابری کے جادِو داں اُصولوں سے مُتاثر ہو کر مُسلمان ہو گئے اور سب سے پہلا آدمی جو بُلبل شاہ صاحب کے ہاتھوں مُسلمان ہوا یہاں کا راجہ رینچن تھا بعد میں اُس کا نام سُلطان صدرالدّین رکھا گیا۔

بُلبل شاہ صاحب نے ۷۲۷ھ میں انتقال کیا اور اُنہیں اپنی ہی خانقاہ

میں دفنایا گیا[1]

بُلبل شاہ صاحب کے بعد وادی میں دوسرے صوفیائے کرام تشریف لائے جن میں سب سے اہم ترین اور بزرگ ترین حضرت میر سید علی ہمدانیؒ تھے۔ اُن کے مقدس ہاتھوں سے پوری وادی کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اُنکی تشریف آوری نے وادی میں جہالت اور ظلمت کا مکمل طور خاتمہ کر دیا۔ آپ وادیٔ کشمیر میں پہلی بار سلطان شہاب الدین شہمیر[2] (۱۳۵۵ تا ۱۳۷۳ء) مطابق ۷۷۴ھ کے زمانہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اُس وقت دہلی کے حکمران فیروز شاہ تغلق اور شہاب الدین کے درمیان لڑائی شروع ہوئی تھی۔ اِس لئے کشمیر کے تخت پر سُلطان قطب الدین نائب کی حیثیت سے ملک کے تنظیمی کام انجام دیتا تھا اُس نے میر سید علی ہمدانی کی تعظیم و تکریم کی۔ چار ماہ بعد[3] حضرت امیر کبیرؒ حج بیت اللہ شریف کی زیارت کے اِرادے سے واپس تشریف لے گئے[4]۔ سُلطان

---

[1] تاریخ کبیر ص ۶۔ تاریخ حسن جلد سیوم ص ۶۔ واقعاتِ کشمیر ص ۳۰۔ کشیر از صوفی۔ جلد اوّل ص ۸۳۔

[2] نوادر الاخبار۔ ورق ۲۴ الف۔ تاریخ حسن جلد دوم ص ۱۷۳۔۱۷۴

[3] تاریخ حسن جلد دوم ص ۱۷۳۔ مؤلف تاریخ کبیر نے چھ ماہ لکھا ہے۔ ص ۱۴۔

[4] تاریخ کبیر ص ۱۴۔ تاریخ حسن جلد دوم ص ۱۷۵۔ تاریخ سید علی میں آپ کی تشریف آوری سلطان قطب الدین کے زمانے میں ۷۸۱ھ میں لکھی گئی ہے۔

قطب الدین شاہ میر (۱۳۷۳ تا ۱۸۹) مُطابق ۷۸۱ ھ کے عہد میں آپ نے دوسری بار اپنی تشریف آوری سے وادیٔ کشمیر کو مشرف بہ اسلام کیا۔ اِس بار آپ نے سات سو سادات کرام کی ایک بڑی خاصی جماعت اپنے ہمراہ لائی[1]۔ جنہوں نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں پھیل کر لوگوں کو دائرہ اِسلام میں لایا۔ اُس وقت اگرچہ یہاں کی آبادی دائرہ اسلام میں شامل ہو چکی تھی اور سُلطان قطب الدّین خود مسلمان تھا لیکن اُس زمانے میں کوئی ایسا عالم نہیں تھا جو یہاں کے لوگوں اور سُلطان کو احکامِ شریعت کے اُصولوں سے باخبر کرتا اور اِس وجہ سے سُلطان قطب الدین نے دو سگی بہنیں اپنے نِکاح میں لائی تھیں۔ اِس کے علاوہ یہاں کے لوگوں کے رسوم، عادات، لباس اور تہذیب و تمدّن ہندوؤں جیسا تھا۔ مطلب یہ کہ ہندو اور مسلمان میں کوئی اِمتیاز نہیں تھا۔ لیکن امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ نے سب سے پہلے سُلطان قطب الدّین کو احکامِ شریعت سے روشناس کرا کے یہ حکم دیا کہ وہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک (جو آپس میں سگی بہنیں بھی تھیں) کو اپنے نکاح میں رکھے اور دُوسری کو طلاق دے۔ اس کے بعد آپؒ نے یہاں کے سُلطان کو مُسلم حکمرانوں جیسا لباس پہننے کی ہدایت کی[2]۔

اِس بار آپ نے محلۂ علاؤ الدین پورہ (موجودہ محلۂ خانقاہ معلیٰ) میں قیام فرمایا اور یہاں پر دریائے جہلم کے کنارے جہاں کالی دیوی کا مندر تھا۔ اس مندر

---

[1] کشمیر میں فارسی اَدب کی تاریخ (از سروری) ص ۴۳۔ نِگارستانِ کشمیر۔ ص ۸۱۔

[2] بہارستانِ شاہی۔ ورق ۱۲، ب، تاریخ سید علی، ورق ۵، الف۔ اسرار الابرار (اُردو ترجمہ) ص ۳۳۔

کے ساتھ ہی میر سیّد علی ہمدانیؒ کے لئے ایک خانقاہ کی تعمیر کی گئی جہاں پر حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ اپنے دیگر ساتھیوں اور نومسلم بھائیوں کے سمیت نماز جمعہ و پنج گانہ نمازیں باجماعت ادا کرتے تھے[1]۔ جن میں سلطان قطب الدین بھی شامل ہوتا تھا[2]۔ اسی خانقاہ معلےٰ میں ایک دن بیک وقت چار ہزار لوگوں نے حضرت امیر کبیرؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور مسلمان بن گئے[3] اور ہر طرف کلمۂ توحید" اللہ اکبر" کی آواز فضائیں میں گونج اٹھی۔ کہا جاتا ہے کہ اِس مقام میں قیام فرمانے کے دوران حضرت امیر کبیرؒ نے سینتیس[37] ہزار لوگوں کو دائرہ اسلام میں لایا تھا۔ چنانچہ اِس سلسلے میں ریشی نامہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اندران دم ز زہرہ کفار	شد ہدایت بسی و ہفت ہزار
ظلمت کافر شد بنور بدل	بسعادت رسید سعید ازل
این سعادت زوازاں تنویر	واسطہ درمیاں امیر کبیرؒ

یعنی آن بانئے مسلمانی
میر سیّد علی ہمدانیؒ[4]

اِس دفعہ آپ نے کشمیر میں زیادہ عرصہ قیام نہیں کیا[5] اور اپنے ساتھ لائے ہوئے

---

[1] بہارستانِ شاہی۔ ورق ۱۲، الف۔ تاریخ حیدر ملک چاڈورہ۔ ص ۴۳۔
[2] بہارستانِ شاہی۔ ورق ۱۳، الف۔
[3] تاریخ سیّد علی۔ ورق ۵، الف۔
[4] ملاحظہ ہو ریشی نامہ۔ ورق ۱۸، الف
[5] مؤرخ حسن نے یہ عرصہ چھ ماہ کا بتایا ہے۔ محی الدین مسکین نے ڈھائی سال کا عرصہ لکھا ہے۔

رُفقار کو دینِ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مامور کیا۔ اِن بزرگانِ دین اور علمائے کرام نے یہاں جگہ جگہ مسجدیں اور خانقاہیں بنوائیں اور یہاں کے لوگوں کو دینِ اسلام سے روشناس کیا اور اُنہوں نے خود یہاں ہی مستقل سکونت اختیار کی اس کے بعد امیر کبیرؒ ۷۸۳ھ میں ترکستان کاشغر، لداخ اور چین وغیرہ کی سیاحت کی غرض سے کشمیر سے روانہ ہوئے اور ان بڑے شہروں میں دینِ اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے اصحابِ کہف کے غار پر بھی پہنچے جو شہر اخس کی حدود میں واقع ہے۔[1]

۷۸۵ھ میں حضرت امیر کبیر میر سیّد علی ہمدانیؒ نے تیسری بار کشمیر کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے زینت بخشی[2]۔ اِس بار یہاں ایک سال تک قیام کیا اور ایک بار پھر اِس وادی کو انوار رشد وہدایت سے منوّر فرمایا۔ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وقوانین کو ترویج دی اور احکامِ شریعت کی پابندی کے لئے لوگوں کو تلقین کی۔ چنانچہ اِس بار تبلیغِ اسلام اور اشاعتِ اسلام میں آپکو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ وادی میں اِسلامی رسوم جاری ہوئے اور یہاں کا ذرّہ ذرّہ کفر کی ظلمت سے نکل کر اُجالے میں آکر روشن ہونے لگا۔ آخر ۷۸۶ھ میں آپ پکھلی تشریف لے گئے اور سُوادِ کنیر کے مقام پر ماہ ذی الحجہ کی چھ تاریخ کو اِس جہانِ فانی سے رخصت لے کر مُلکِ جاودانی کا راستہ لیا[3]......

"بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم" بُلند آواز میں پڑھ کر داعیٔ اجل کو لبیک ـــــ

---

[1] تاریخ کبیر ص ۲۴۔ تاریخِ حسن میں یہ سن ۷۸۲ھ بتایا گیا ہے۔

[2] تاریخ حسن۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۳۔ تاریخ کبیر ص ۱۴۔ گُلشن ص ۸۶۔

[3] بہارستان شاہی۔ ورق ۱۳ اب۔ تاریخ حسن جلد ۲۔ ص ۱۷۔

کہا[1] ۔ اور اِن اعداد سے آپ کی تاریخِ وفات بھی نکل آتی ہے ۔ آپ کی نعشِ مبارک ختلان میں دفنائی گئی[2] ۔

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کو کشمیر میں جامع الکمالات، امیر کبیر، بانیٔ مسلمانی، علیٔ ثانی، شاہ ہمدان وغیرہ القاب سے یاد کیا جاتا ہے اور یہاں کے لوگ آپ کے احسانات اور فیض و برکات کا ہر وقت اعتراف کرتے آئے ہیں چنانچہ آپؒ نے کشمیر میں جس جس مقام پر قیام کیا اور نماز ادا کی ہے، یہاں کے مسلمان اُس مقام کو بہت ہی مقدس اور مطہر سمجھتے ہیں ۔ خاص کر سرینگر کی خانقاہِ معلےٰ کو کشمیر کا متبرک ترین مقام سمجھا جاتا ہے ۔

آپ کی تشریف آوری سے ہی کشمیر میں دینِ اسلام کی جڑیں ہمیشہ کے لئے اُستوار ہو گئیں ۔ اگرچہ پہلے بُلبل شاہ صاحب نے بھی کشمیر میں اشاعتِ اسلام کی بہت کوشش کی تھی لیکن اِس کے باوجود یہاں اہلِ ہنود کی کثرت باقی تھی ۔ اِس طرح آپ نے کشمیر کی وادی کو مکمل طور پر اسلامی وادی بنا دیا ۔

یہاں پر اِس بات کی طرف اِشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض مؤرخوں مثلاً مؤلفِ تاریخِ سید علی، مؤلفِ کشمیر اور پروفیسر آرنلڈ کے مطابق امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی کشمیر میں تشریف آوری کو امیر تیمور کے قہر و غضب سے پناہ حاصل کرنے کا باعث قرار دیا ہے ۔ مگر اِس کی تائید کسی بھی قدیم ذریعے سے نہیں ہوتی ہے ۔ ایسا کہنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ تحقیق سے یہ بات ابھی تک ثابت نہیں

---

[1] تاریخِ کبیر ۔ ص ۱۵ ۔

[2] بہارستان شاہی ۔ ورق ۱۳ ا ب

ہو پائی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ امیر کبیر دین کے ایک مبلّغ اور روحانی پیشوا تھے اُنہیں کسی بادشاہ کی اہانت یا کسی کی مخالفت سے کوئی غرض نہیں تھی، بلکہ سلاطینِ وقت ہی اُن کی معاونت کے طالب ہوئے۔ آپ کے قدیم سوانح نگار مولانا حیدر بدخشی آپ کے کشمیر آنے کی وجہ یوں لکھتے ہیں:۔

"امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ رُو بقبلہ نشستہ بود کہ حضرت رسولِ اکرم صلعم حاضر شدند و گفتند یا ولدی در کشمیر برو و مردم اُنجا مُسلمان کن اگرچہ بعضی بشرفِ اسلام مشرف اند بدتر از کافر"[1]

ترجمہ:۔ "امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ قبلہ رو بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا: میرے بیٹے تو کشمیر جا اور یہاں کے لوگوں کو مُسلمان بنا۔ اگرچہ کچھ اُن میں سے مُسلمان بن گئے ہیں لیکن عملی اعتبار سے غیر مُسلموں سے بھی بدتر ہیں"

علاوہ ازیں امیر تیمور حضرت میر سیّد علی ہمدانی کا مداح تھا[2] اور اُن کی کافی قدر کرتا تھا۔ دُوسری بات یہ کہ آپ کے ساتھ سات سو سادات کا آنا اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ اشاعتِ اِسلام کی غرض سے آئے تھے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے آپ کی تعریف میں لکھا ہے:

سیّد السادات سالارِ عجم	دست او معمار تقدیر اُمم
تا غزالی درسِ اللہ ہو گرفت	ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آن کشورِ مینو نظیر	میر و درویش و سلاطین را مشیر

---

[1] معارف۔ ماہ مئی ۱۹۸۰ء ص ۳۸۰۔ بحوالہ (منقبۃ الجواہر قلمی)

[2] طرائق الحقائق۔ ص ۱۷۶۔

Scanned with CamScanner

خطہ را آں شاہ دریا آستین — داد علم و صنعت و تہذیب و دین

آفرید آن مردِ ایرانِ صغیر — با ہنرہائے غریب و دلپذیر

یک نگاہِ او کشاید صد گرہ

خیز و تیرش را بدل راہے بدہ [1]

حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی وفات کے بعد آپ کے ساتھ آئے ہوئے سادات نے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا کام جاری رکھا اور انہوں نے وادیٔ کشمیر کے باشندوں کو اسلام کے دائرے میں لانے میں اہم خدمات انجام دیں۔ رفتہ رفتہ کشمیر کی تقریباً پوری آبادی اسلام کے دائرے میں آ گئی۔ بعض مورخوں کے مطابق کشمیر میں صرف گیارہ خاندان دائرۂ اسلام سے باہر تھے [2]

امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کی وفات کے بعد جو سادات کشمیر میں وارد ہوئے اُن میں اُن کے عظیم المرتبت فرزند حضرت میر محمد ہمدانی کا نام سرِفہرست آتا ہے۔ آپ سلطان سکندر شہمیری (۷۹۶ھ) کے عہد میں سات سو سادات کی جماعت کے ساتھ واردِ کشمیر ہوئے۔ آپ نے یہاں بارہ سال قیام کیا اور اس طویل عرصے کے دوران آپ نے یہاں اپنے رفقاء کے ہمراہ دینی تعلیم کی خدمات انجام دیں اور اشاعتِ اسلام میں اپنے والدِ بزرگوار کی طرح سخت کوشاں رہے۔ اس عہد میں بھی تبلیغِ اسلام کا کام انجام دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں دینِ اسلام کی تبلیغ ہوئی۔

---

[1] جاوید نامہ۔ اقبال۔ ص ۲۷۴۔

[2] نگارستانِ کشمیر ص ۱۷۳ بحوالہ لارنس اور اقوامِ کشمیر ص ۱۷۲)

سُلطان سکندر کا سپہ سالار ملک سہہ بٹ نے حضرت میر محمد ہمدانی کے ہاتھوں اِسلام قبول کر لیا اور میر سیّد محمد ہمدانیؒ نے اُس کا نام ملک سیف الدین رکھا[1]۔ اِسی ملک سیف الدین نے بعد میں کشمیر کے بہت سے برہمنوں کو مُسلمان بنا دیا اور جنہوں نے اِنکار کیا اُن کی کفالت و حفاظت کے لئے اُنکو جزیہ دینا پڑتا تھا[2]۔

اِسلام کی پُرزور اِشاعت کے بعد سُلطان حسن شاہ شہمیری (۸۹۲ھ) کے زمانے میں میر شمس الدین عراقیؒ سلطان حسین[3] میرزا والئی خراساں کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے کشمیر آئے[4]۔ یہاں وہ آٹھ سال قیام کرنے کے بعد پھر واپس خراساں چلے گئے۔ لیکن اپنے قیام کے دوران اُنہوں نے کشمیر میں شیعہ مسلک کی تبلیغ کی اور بابا علی نجار (جو اُس وقت کے شیخ الوقتؒ شیخ اِسماعیل کا مرید خاص تھا) کو شیعہ بنا دیا۔

بارہ[12] سال کے عرصہ کے بعد میر شمس الدین عراقی محمد شاہ شہمیری (بار دوم ۸۹۸ھ) کے زمانے میں پھر کشمیر آئے[5]۔ یہاں بابا علی نجار نے اُن کا بہت ہی گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنی خانقاہ میں ٹھہرایا۔ صرف اِتنا ہی نہیں بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اُن کے حوالے کر دیا[6]۔ اِس طرح قلیل عرصے میں ہی میر شمس الدین

---

۱ بہارستان شاہی۔ ورق ۱۴ ا۔ب۔ تاریخ حیدر ملک۔ ص ۴۴۔ اسرار الابرار ص ۶۳ تاریخ حسن۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۸۔ کشیر۔ جلد اوّل۔ ص ۹۳ ۲ جونراج۔ کنگس آف کشمیر از دت۔ ص ۶۰ ۳ بہارستان شاہی۔ ورق ۱۸۔ تاریخ حسن ص ۱۱۴ واقعات کشمیر ص ۱۵۔ ۴ تاریخ حسن، جلد اوّل ۴۳۰۔ ۵ بہارستان شاہی، ورق ۱۳ا۔ب۔ تاریخ حسن۔ ج ۲۔ ص ۲۲۰ ۶ تاریخ حسن جلد اوّل ص ۴۳۱۔

Scanned with CamScanner

عراقی نے وادی میں شیعہ مسلک کی ترویج واشاعت کے لئے بہت کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ وادی کے اُس وقت کے خاص اُمراء مثلاً موسیٰ رینہ۔ کاجی چک اور غازی چک اُن کے مُرید ہو کر شیعہ بن بیٹھے[1]۔ بعد میں چک اُمراء کے برسرِ اقتدار آنے سے اِس مسلک کی کافی حوصلہ افزائی ہوئی۔

یہاں پر اِس بات کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میر شمس الدّین عراقی کو بعض مورخوں[2] نے نوربخشیہ سلسلہ کا پیروکار بتایا ہے جو شیعہ مسلک سے الگ ایک فرقہ ہے۔ لیکن یہاں کے تقریباً ہر فارسی مؤرخ نے میر عراقی کو شیعہ و مذہب امامیہ کا بانی قرار دیا ہے نہ کہ نوربخشیہ کا۔

اِس طرح کشمیر میں مُسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ سُنی کہلائے اور دوسرا گروہ شیعہ۔ سُنی مسلمان وہ ہیں جنہوں نے بُلبل شاہ اور میر سیّد علی ہمدانی اور دیگر سادات کے ہاتھوں اِسلام قبول کیا۔ شیعہ مُسلمان وہ ہیں جنہوں نے میر شمس الدّین عراقی کے ہاتھ پر بیعت کی۔

---

[1] تاریخِ حسن۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۰۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخِ رشیدی از میرزا حیدر دوغلت۔